محمد حنیف ندوی

مشہور متصوفین

متصوفین میں کچھ مشہور شخصیتیں ایسی ہیں جن کے اعمال و افکار پر تصوف کا قصر رفیع تعمیر ہوا۔ اور ان سے متعارف ہونا ضروری ہے چنانچہ ان میں سے چند حضرات کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے

۱۔ ابراہیم بن ادہم۔

المتوفی سنہ ۱۲۳ھ یہ خراسانی مدرسۂ فکر کے بانی ہیں۔ تصوف کی کتابوں میں ان کے اقوال کو اکثر نقل کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کیونکر طہارت و زہد کی زندگی اختیار کی؟ اور کس طرح تخت و تاج کی آسائشوں کو ٹھکرا دیا؟ اس کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق خراسان کے شاہی خاندان سے تھا۔ لہذا ان کے مشاغل بھی اسی انداز کے تھے جو بادشاہوں کی اولاد کے ہو سکتے ہیں۔ یعنی سیر و سیاحت اور لہو و لعب۔ ایک دن یہ شکار کی غرض سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ہرن یا خرگوش تیر کی زد میں ہے اس کے پیچھے دوڑے قریب تھا کہ اس کو جالیں۔ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے ابراہیم! تجھے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ انھوں نے سنی ان سنی کر کے پھر شکار کا تعاقب کیا۔ آواز نے پھر متوجہ کیا۔ یہ پھر ٹال گئے اس کے بعد آواز پھر آئی اور ان کے دل کی تہوں میں اتر گئی۔ اب تبدیلی شروع ہوئی اور خیالات و افکار نے پلٹا کھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنا جبہ و عبا تو ایک چرواہے کے حوالے کیا اور اس کے پھٹے پرانے کپڑے خود پہن لئے۔ جنگل کی راہ لی اور بقیہ زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کی۔

صوفیا نے اگرچہ باقاعدہ سند کے ساتھ اس حکایت کو بیان کیا ہے اور اکثر کتابوں میں کیا ہے تاہم ہمارے نزدیک اس کی تاریخی حیثیت مشتبہ ہے۔ خراسان پر چونکہ ایک عرصہ تک بدھ تہذیب و روایات

کا اثر رہا اس لئے یہ بات ہرگز مستبعد نہیں کہ یہ قصہ بعینہٖ بدھ کی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ بدھ کی کہانی کا چربہ ہو۔

روایات اور تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں صوفیا کیوں متساہل ہیں؟ اس کا جواب دیئے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہے۔ بات یہ ہے کہ مورخین اور محدثین کا نقطۂ نظر اور موضوع ان سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ جہاں نقش واقعات کی چھان پھٹک سے کام لیتے ہیں یا روایات کی تحقیق اور اس کے مراتب صحت کی تعیین میں داد علم دیتے ہیں وہاں صوفیا اس جھمیلے میں پڑے بغیر صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کس واقعہ یا روایت میں ان کے ذوق و وجدان کی تسکین زیادہ ہوتی ہے۔ یا کس واقعہ یا روایت میں تاثر پذیری اور عبرت و تذکار کے پہلو زیادہ نکھرتے ہیں یہی وجہ ہے ان کی کتابوں اور تحریروں میں بے شمار ایسے عجائب کا پتہ چلتا ہے جن کی علمی توجیہ بیان کرنا آسان نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں نقطہ ہائے نظر اپنی اپنی جگہ مفید ہیں بشرطیکہ ان کے حدود کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جائے۔ یہی نہیں ان میں باہمی کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا۔ محدثین اور مورخین کی کوششوں کا کھلا ہوا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح واقعات حقائق اور شریعت کے تمام گوشے پوری صحت کے ساتھ نظر و بصر کے سامنے آجاتے ہیں اور صوفیا کے اقوال و حکایات کا ماحصل یہ ہے کہ ان سے عبرت و نصیحت اور تاثر و انفعال کے وہ نوادر اور لطائف مستنبط ہوتے ہیں جو ذہن و فکر کی دنیا کو پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی ادبی افادیت کا پہلو ایسا ہے کہ جس سے گویا فارسی اور عربی لٹریچر میں زندگی کی نئی روح بیدار ہو گئی ہے اس میں ان اقوال و حکایات کی بدولت گہرائی، معنویت اور بلاغت کے ایسے اچھوتے محرکات کا بیش قیمت اضافہ ہوا ہے جو اس سے پہلے موجود نہیں تھے اور ایسی دلنوازر رعنائیت پیدا ہو گئی ہے جس نے فارسی اور عربی ادب کو حیات جاوید بخش دی ہے اور نکھار دیا ہے۔ صوفیا کا نظریہ تاریخ کیا ہے اس کو ہم آگے چل کر نسبتۂ تفصیل سے بیان کریں گے۔

۲۔ ابوالفیض ذوالنون مصری

(المتوفی ۲۴۶ھ) سہل بن عبداللہ تستری کے استاد اور محاسبی کے معاصر ہیں۔ ان کا علم و

فضل ، ورع و تقویٰ اور حال و وجدان تمام صوفیاء کے حلقوں میں مسلم ہے۔ ان کے اقوال میں کہیں کہیں وحدت الوجود کی جھلک پائی جاتی ہے۔ کتاب و سنت کے سختی سے پابند تھے۔ اس کی محبت کے بارہ میں ان کا قول ہے :-

من علامات المحب للہ عزوجل متابعۃ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاقہ وافعالہ واوامرہ وسننہ	اللہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری متابعت کی جائے۔ ان کے افعال، اوامر اور سنن سب میں

فقہا انھیں غالباً وحدت الوجود ہی کی بنا پر زندیق سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ متوکل سے ان کے ملحدانہ عقائد کی شکایت کی گئی تو اس نے بلا بھیجا۔ یہ گئے اور ایسی مؤثر تقریر کی کہ متوکل کو روتے روتے گھگھی بندھ گئی۔ اس پر اس نے اعزاز اور تکریم کے ساتھ انھیں مصر جانے کی اجازت دیدی۔

ان سے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ حکمت اسلام کے علاوہ انھیں مصری اسرار پر بھی عبور حاصل تھا

۳۔ ابو علی فضیل بن عیاض۔

المتوفی ۱۸۷ھ تصوف میں عراقی مدرسۂ فکر کے حامل تھے۔ پہلے ڈاکو تھے پھر اللہ نے توبہ و اخلاص کی نعمت سے نوازا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیشے کا رخ بدل گیا۔ پہلے اگر لوگوں کا مال لوٹتے تھے تو اب انھوں نے خزانِ معرفت پر ڈاکہ ڈالنا شروع کیا۔ طبیعت و ذوق کے اعتبار سے حزن پسند تھے۔ ابوعلی رازی کا کہنا ہے کہ میں ان کی صحبت میں تیس برس تک رہا۔ میں نے کبھی انھیں ہنستے اور تبسم فرماتے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ یہ ہنسے۔ یہ وہ وقت تھا جب ان کا لختِ جگر علی فوت ہوا۔ میں نے پوچھا اس پر آپ کیوں ہنسے ہیں؟ ان کا جواب یہ تھا۔ جب میرے مولا کو علی پسند ہے تو میں کیوں نہ اس پر مسرت کا اظہار کروں۔ دنیا کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا:-

لو ان الدنیا بحذافیرھا عرضت علی ولا یحاسب بھا لکنت اتقذرھا کما یتقذر احدکم الجیفۃ	اگر دنیا اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ مجھے دیدی جائے، اور اس پر کسی محاسبہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تب بھی میں اسے ایسا ہی ناپاک سمجھوں گا جیسے تم مردار کو

ناپاک سمجھتے ہو۔

جب مکہ میں ان کا انتقال ہوا تو عبداللہ بن المبارک نے کہا آج دنیا سے حزن و غم اٹھ گیا ہے۔

۴۔ بایزید بسطامی۔

(المتوفی ۲۶۱ھ) مشہور صوفی ہیں۔ ان پر سکر و حال کی کیفیتیں اکثر طاری رہتیں۔ وحدت الوجود کا رنگ ان میں نسبتہً زیادہ شوخ اور چوکھا نظر آتا ہے۔ سبحانی ما اعظم شانی کے قبیل کے شطحیات ———— ان کی طرف منسوب ہیں یہ پہلے صوفی ہیں جنھوں نے واقعۂ معراج النبیؐ کو سالک کے لئے ایک نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسراء کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ انھیں آسمانوں پر پرواز کا روحانی تجربہ ہوا ہے جہاں انھوں نے جنت دوزخ کا نظارہ کیا ہے۔ شجرۂ توحید کو بچشم خود دیکھا ہے اور قرب الٰہی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہی نہیں اللہ سے تکلم کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا فرمایا، انھیں کے الفاظ میں دیکھئے:۔

"اور ابویزید تو اپنے پندار انا سے اسی وقت نکل سکتا ہے، جب میرے محبوب محمد رسول اللہ کی پیروی کرے اور اس مٹی کو جس پر ان کے نقوش پا مرتسم ہیں اپنے لئے سرمۂ چشم قرار دے۔"

علم اور اس کے تقاضوں کے بارہ میں ان کا ایک حکیمانہ قول ملاحظہ ہو:۔

علمت فی المجاھدة ثلاثین سنة فما وجدت شیئاً اشد علیّ من العلم ومتابعته ولولا اختلاف العلماء لتعبت واختلاف العلماء رحمة الا فی تجرید التوحید۔

تیس برس تک میں نے مجاہدہ کی سختیاں جھیلی ہیں مگر علم اور اس کی پیروی سے زیادہ سخت چیز میں نے نہیں پائی علماء امت کا باہمی اختلاف تنزیہ توحید کے علاوہ باعثِ رحمت ہے اور اگر یہ اختلاف نہ پایا جاتا تو میں علم کی یکسانی و یک رنگی سے اکتا جاتا۔

ان کے آباء و اجداد مجوسی تھے۔ اس مناسبت سے کہا کرتے تھے کہ میں جب بھی نماز پڑھتا

ہوں۔ یہ محسوس کرتا ہوں، گویا میں نے ابھی ابھی مجوسیت سے توبہ کی ہے اور قطع زنار کے درپے ہوں

کرامات کو ولایت کی نشانی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا قول ہے:۔

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعۃ۔	اگر تم دیکھو کہ ایک شخص کو کرامات سے بہرہ وافر ملا ہے تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اس میں دیکھو یہ کہ اوامر و نواہی کے بارہ میں اس کا طرز عمل کیا ہے۔ حفظ حدود کا کس درجہ پابند ہے اور شریعت کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔

۵۔ ابو علی شفیق بن ابراہیم بلخی۔

حاتم الاصم کے شیخ اور استاد تیسری صدی ہجری کے بلند پایہ صوفی، توکل و صبر کے پیکر اور معرفت کے رکن رکین ہیں۔ یہ کیونکر زہد و تقوی کی طرف مائل ہوئے؟ اس کے بارہ میں کئی قصے مشہور ہیں کہتے ہیں ان کا پیشہ تجارت تھا۔ ایک مرتبہ قحط پڑا جس سے یہ بہت پریشان ہوئے، سوچنے لگے کہ رزق کی کشائش کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غلام رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ اور خوشی و انبساط سے اچھل کود رہا ہے۔ اس سے پوچھا۔ قحط و پریشانی کے ان دنوں میں یہ مستیاں۔ کیا تجھے کھانے پینے کی فکر لاحق نہیں۔ اس نے کہا جناب نہیں۔ میرے مالک کا ایک گاؤں ہے جس نے ہم دونوں کو اس احتیاج سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ یہ اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے دل نے کہا کیا تیرے مولا و آقا کے پاس یہ پوری زمین اپنی تمام زرشادابیوں کے ساتھ موجود نہیں اور اگر تیرا تعلق کم از کم اتنا ہی ہے جتنا کہ اس غلام کا اپنے آقا سے ہے تو پھر اس پریشانی اور اضطراب کے کیا معنی؟

معرفت کے متعلق ان کا حسب ذیل قول حاتم الاصم نے نقل کیا ہے:۔

"اگر ایک شخص دو سو برس تک زندہ رہتا ہے اور اس کو ان چار چیزوں کی معرفت حاصل نہیں تو اس کو جہنم کی آتش سے کوئی نہیں بچا سکتا:۔

۱۔ خدا کی معرفت

۲۔ اپنا عرفان

۳۔ خدا کے اوامر و نواہی کی معرفت اور

۴۔ خدا اور اپنے دشمن کی معرفت۔

خدا کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے دل سے اس حقیقت پر یقین رکھے کہ اس کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی بخشش و عطاء یا نفع و ضرر پر قادر نہیں۔

اپنے عرفان سے یہ مقصود ہے کہ تو اپنی بیچارگی کو پوری طرح محسوس کرے اور اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کرے کہ تو کسی شخص کو بھی نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں، یہی نہیں تجھے براہ راست کسی چیز پر بھی اختیار حاصل نہیں۔

خدا کے احکام یا اوامر و نواہی کا عرفان اس بات کا مقتضی ہے کہ تو بہ یقین رکھے کہ ان احکام و مسائل کو تیرے نفس پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔ اس یقین کی علامت یہ ہے کہ ان کی بجا آوری کے سلسلہ میں جھجک اور سستی یا بے صبری کو کوئی دخل نہ ہو۔

خدا اور اپنے دشمنوں کی معرفت کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں محسوس ہو کہ تم اپنے ذوق و عبادات میں آزاد نہیں ہو بلکہ کچھ عوامل رخنہ اندازی کرنے والے بھی ہیں ان کے خلاف تمہیں بہر حال ایک لڑائی لڑنا ہے اور اس کے حملوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

تقویٰ کی پہچان کیا ہے اس کے بارے میں ان کا یہ حکیمانہ قول ماننے کے لائق ہے:۔

تعرف تقوی الرجل فی ثلاثة اشیاء فی اخذہ، فی منعه وفی کلامه۔

تو اگر کسی شخص کے مرتبہ ارتقاء کا اندازہ کرنا چاہے تو تین چیزیں دیکھ، وہ کن چیزوں کو اختیار کرتا یا اپناتا ہے کن چیزوں سے باز رہتا یا احتراز کرتا ہے اور اس کی بات چیت کا موضوع کیا ہے۔

۶۔ ابو عبداللہ الحرث بن اسد المحاسبی المتوفی سنہ ۲۴۳ھ

ذوالنون کے معاصر تھے یہ غزالی کے نہایت محبوب روحانی مرشد ہیں۔ "احیاء" میں ان کے اقوال کو انھوں نے اکثر نقل کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی کتاب "احیاء" میں محاسبی کی تحریرات کی جھلکیاں صاف نمایاں ہیں یہ پہلے صوفی مصنف ہیں جنہوں نے اپنے خیالات و افکار کو قدیم حکمار یونان کی طرح سوال و جواب کی صورت میں ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب " الرعایۃ لحقوق اللہ " تصوف کے حقائق پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔

آربری نے اپنی کتاب "تصوف" (SUFISM) میں ان کی ایک غیر مطبوعہ تحریر الوصایا سے ایک طویل باب نقل کیا ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ غزالی کے بہت پہلے انھوں نے تحقیق مذاہب کے سلسلہ میں اسی انداز کے تحلیل و تجزیہ سے کام لیا ہے جو غزالی کی شہرہ آفاق کتاب "المنقذ من الضلال" میں پایا جاتا ہے۔

محاسبی انہیں غالباً اس ضبط نفس کی بنا پر کہا جاتا ہے جس کی انہوں نے بار بار تاکید کی ہے کہ جس کو انہوں نے تقویٰ کی اساس قرار دیا ہے۔

فصل فی المحبۃ ان کا ایک خاص مقالہ ہے جس میں محبت کے متعلقات پر انہوں نے نہایت لطافت سے روشنی ڈالی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم طوالت کے اندیشہ سے اس کے اقتباسات درج کرنے سے قاصر ہیں۔

قیشری نے انہیں ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے۔

عدیم النظیر فی زمانہ علماً و ورعاً ومعاملۃً وحالاً۔ — اپنے زمانہ میں باعتبارِ علم، تقویٰ، معاملات اور احوال کے عدیم النظیر شخصیت۔

ان کے والد عقیدۃً قدری تھے اور بہت مالدار تھے۔ ان کے مرنے کے بعد مال و دولت کی کثیر مقدار انھیں بطور ترکہ و میراث کے ملی۔ لیکن انہوں نے اختلافِ عقاید کے پیش نظر اس کو قبول نہ کیا۔

صوفیا میں یہ ان پانچ شیوخ میں سے ہیں جن کو مستند مانا جاتا ہے۔ ابو عبداللہ خفیف کا قول ہے

اقتدوا بخمسۃ من شیوخنا والباقون — ہمارے شیوخ میں ان پانچ کی اقتدا اختیار

سلّموا لهم حالهم الحرث بن اسد المحاسبي والجنيد بن محمد و ابو محمد رويم و ابو العباس بن عطاء و عمرو بن عثمان المكي لانهم جمعوا بين العلم والحقائق۔

اور باقی کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ محاسبی، جنید ابو محمد رویم، ابو العباس بن عطاء اور عمرو بن عثمان۔ کیونکہ یہ وہ حضرات ہیں جو علم و حقائق دونوں کے جامع ہیں۔

۷۔ ابو سلیمان الدارانی المتوفی ۲۱۵ھ

یہ بھی غزالی کے عزیز ترین ممدوح ہیں۔ ان کا تذکرہ اور اقوال اکثر احیاء کے صفحات کی زینت ہیں سید الطائفہ حضرت جنید نے بھی ان کے عارفانہ اقوال کو نقل کیا ہے۔ ان کا فلسفہ تصوف چونکہ گرسنگی پر مبنی ہے اسی لئے کلاباذی نے انہیں مدار الجائعین کے لقب سے یاد کیا ہے گرسنگی کے بارہ میں ان کے اقوال یہ ہیں۔

الجوع مفتاح الاخرة والشبع مفتاح الدنيا۔

بھوک یا گرسنگی خزائن آخرت کی کلید ہے اور شکم سیری دنیا کی کلید ہے۔

گرسنگی کی تہ میں فلسفہ یہ تھا۔

اذا شبع الانسان جاعت اعضاؤه بالشهوة واذا جاع الانسان شبعت اعضاءه عن الشهوة۔

انسان جب شکم سیر ہوتا ہے تو اس میں حرص و شہوت کے عوامل کی گرسنگی تیز ہو جاتی ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو یہی عوامل حرص و شہوت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔

کتاب و سنت کی پابندی کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ واردات قلب جن کا تعلق دینیات سے ہے اس وقت تک حجت و مستند نہیں جب تک کہ ان کو کتاب و سنت کی خارجی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جاتے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے۔

ربما يقع في قلبي نكتة من نكت ايامًا فلا اقبل منه الا بشاهدين عدلين الكتاب والسنة۔

میرے دل میں کبھی متصوفانہ نکات کا القاء ہوتا ہے اور کئی کئی دن تک میں انہیں یونہی دل میں پڑا رہنے دیتا ہوں اور اخذ و قبول پر راضی نہیں ہوتا۔

تاوقتیکہ دوشاہد عادل اس کی تائید نہ کر دیں۔ یعنی اللہ اور سنت رسولؐ۔

عقبیٰ اور آخرت میں جو تضاد ہے اس کو انھوں نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اذا سکنت الدنیا القلب لرحلت منہ الآخرۃ — جب دنیا کسی شخص کے دل میں سکونت اختیار کر لیتی ہے تو آخرت کا خیال اسی وقت دل سے نکل جاتا ہے۔

۸۔ ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ صاحبین امام محمد اور امام یوسف دونوں اختلافی مسائل میں ان کو اپنا حکم تسلیم کرتے اور ان کی رائے اور فتوے کو صائب جانتے تھے۔ یہ امام محمد کی بیحد عزت کرتے تھے۔ لیکن قاضی ابو یوسف سے اس بنا پر خفا تھے کہ انھوں نے اپنے استاد کی روش کے علی الرغم عہدۂ قضا کیوں قبول کر لیا۔ ان کا کہنا تھا کہ امام نے تو کوڑے کھائے اور تازیانوں کی اذیت برداشت کی، مگر عہدۂ قضا قبول نہ کیا اور انھوں نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے لئے طلب و رغبت کا اظہار بھی کیا۔

اسی خفگی کے پیشِ نظر ان کا معمول یہ تھا کہ اگر یہ دیکھتے کہ امام محمد کا مسلک صحیح ہے اور اگر قاضی ابو یوسف کی رائے ترجیح تی محسوس ہوتی، تو نام لئے بغیر کہتے کہ اس نوجوان کی رائے زیادہ قرینِ ثواب ہے۔

یہ کس طرح زہد و ورع کی جانب ملتفت ہوئے اس کے بارے میں مختلف حکائتیں کتب تصوف میں مذکور ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا ایک ہی سبب تھا اور وہ یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقویٰ نے انہیں متاثر کیا اور ان کے داعیاتِ شوق کو اکسایا۔

صوفیا میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے ربط و تعلق کی کیا نوعیت تھی، اس کا اندازہ ان کے اس قول سے لگایئے جب یہ رات کی تاریکی میں روح کے اُجالے کا سامان بہم پہنچانے اور تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے:

الٰہی ھمّک عطّل علیّ الھموم الدنیویۃ — پروردگار! تیرے ایک غم نے میرے تمام دنیوی غموں کو بھلا دیا اور معطل کر دیا ہے۔

ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے حتیٰ کہ خادمہ کھانے کے لئے بلاتی تو فرماتے ہے۔

بین مضغ الخبز وشرب الفتیت قراۃ خمسین آیۃ
روٹی کھانے اور فتیت (ایک مشروب) پینے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اتنے میں پچاس آیات کی تلاوت ہو سکتی ہے۔

اخلاص کے دقائق و لطائف کا بہت خیال رکھتے ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک صاحب آئے انہوں نے دیکھا کہ پانی کی صراحی دھوپ میں رکھی ہے، ان سے رہا نہ گیا کہنے لگے بھائی اس کو تو سایہ میں رکھ دیا ہوتا جواب ملاحظہ ہو۔

حین وضعتها لم یکن شمس وانا استحیی ان یرانی اللہ امشی بما فیہ حظ نفسی۔
آپ بجا ارشاد فرماتے ہیں۔ میں نے دراصل اسے سایہ ہی میں رکھا تھا۔ اب دھوپ آگئی ہے اس کو اٹھا کر دوبارہ سایہ میں رکھنے میں یہ شرم مانع ہے۔ کہ کہیں صراحی تک چل کر جانے کو میرے حظ نفس پر نہ محمول کیا جائے۔

۹۔ ابوالقاسم جنید بن محمد (المتوفی ۲۹۸ھ)

سرخیل صوفیاء اور چمنستان تصوف کے گل سرسبد عراق ان کا مولد و منشا ہے، ان کے والد شیشہ کا کاروبار کرتے تھے اس مناسبت سے انہیں قواریری بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے تصوف میں ایک خاص مدرسۂ فکر کی بنیاد ڈالی ہے، افسوس ہے کہ بعد کے آنے والے حضرات نے اس انداز کو آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا شمار ان چند لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تصوف کو خاص نظریات سے روشناس کرایا اور اسے ایک متعین پیرایۂ بیان بخشا۔ محاسبی سے انہیں تلمذ حاصل ہے۔ توحید کیا ہے؟ اور غیر زمانی وجود کی کیا حقیقت ہے؟ اس کے بارہ میں ان کے اقوال کس درجہ فلسفیانہ عقیقت کے حامل ہیں، دیکھئے توحید کے معنی یہ ہیں کہ ازلی و ابدی خدا کو زمانیات سے الگ کر کے دیکھا جائے اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان سے سوال کیا تھا۔

الست بربکم
کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟

حضرت جنید کا کہنا ہے کہ یہ گفتگو اس مرحلے کی ہے جب انسان نے ابھی وجود کا مادی

پیراہن زیبِ تن نہیں کیا تھا۔ اور نسانیات سے یکسر آزاد تھا۔ یعنی اس کا وجود محض روحانی اندازو نہج کا تھا۔ جو زمان و مکان کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

تصوّف کی نعمت انہیں کیونکر حاصل ہوئی۔ ان کا اپنا قول ملاحظہ ہو۔

ما اخذنا التصوف عن القیل والقال ولکن عن الجوع وترک الدنیا وقطع المألوفات والمستحسنات

ہم نے تصوّف قیل وقال اور فقیہانہ بحث ومناظرہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اس کے لئے گرسنگی کی اذیتیں جھیلی ہیں۔ مألوفات اور پسندیدہ چیزوں کو ترک کیا ہے۔

ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ تصوّف کی بنیاد کتاب وسنت کی تصریحات پر ہے لہٰذا جو شخص ان نعمتوں سے محروم ہے اس نے تصوف کی بو بھی نہیں سونگھی۔ ان کا کہنا تھا۔

الطُّرق کلها مسدودة علی الخلق الّا من اقتفی اثر الرسول علیہ الصّلوٰة والسّلام۔

خلق اللہ پر معرفت کے تمام دروازے بند ہیں الا یہ کہ آنحضرتؐ کے نقشِ قدم کی پیروی اختیار کی جائے۔

من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث لا یقتدی بہ فی ھذا الامر لان علمنا مقیداً بالکتاب والسّنة

جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور حدیث قلمبند نہیں کی وہ معرفت کے باب میں اقتداء کے لائق نہیں کیونکہ ہمارے ہاں یہ علم مقید بہ کتاب وسنت ہے

کرامات کو وجہِ فضیلت نہیں سمجھتے تھے۔ ایک شخص ان کے زہد و ورع کا چرچا سنکر ان کے ہاں آیا اور کچھ عرصہ تک ان کی حرکات وسکنات کو بغور دیکھتا رہا۔ آخر ایک دن اجازت لے کر جانا چاہا حضرت جنید نے پوچھا اتنی جلدی کیوں جاتے ہو۔ اس نے کہا میں تو اس خیال سے آیا تھا کہ آپ بہت بڑے ولی ہوں گے اور آپ کے ہاں بڑی بڑی کرامتیں دیکھنے میں آئیں گی۔ لیکن افسوس میں نے تو کوئی کرامت ایسی نہیں دیکھی جس سے آپ کی ولایت کا اندازہ ہو سکے۔ جنید مسکرا دیئے۔ انھوں نے کہا اس عرصہ میں کیا تو نے دیکھا کہ میں نے ترک فرائض کا ارتکاب کیا ہو۔ اس نے کہا جی نہیں آپ نے کہا کیا ترک سنن کی نوبت آئی۔ اس نے کہا۔ جی نہیں۔ آپ نے فرمایا، پھر کیا نوافل ومستحبات میں تساہل

برتا گیا۔ اس نے کہا حضور یہ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جادہ یہی میری کرامت ہے۔

مسٹر شولیم کی طرفہ طرازی

اہم اور مقتدر مشائخ کی فہرست کافی طویل ہے، جس کو ہم اختصار کی خاطر نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔ اس میں ہم نے ان پاکباز او رپاک نہاد خواتین کا ذکر نہیں کیا جنھوں نے عرفان کے بادۂ صافی سے سکر و مستی کی کیفیتیں پیدا کیں اور زہد و تقویٰ اور عفاف و پرہیز گاری سے ظاہر و باطن کی سج دھج کا اہتمام کیا۔ صرف رابعہ بصری کا نام لے لینا اس سلسلہ میں کافی ہے۔ ایک لطیفہ سنئے۔ مغربی علماء میں ایک خوبی یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں کو بڑے اچھے انداز میں چھپانا جانتے ہیں۔ مسٹر شولیم (SCHOEEM) فلسطین کی عبرانی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور یہودی تصوف ان کا خاص موضوع ہے۔ چنانچہ اس پر انھوں نے ایک فاضلانہ اور شاندار کتاب بھی لکھی ہے۔ اس میں یہودی تصوف پر بحث کرتے ہوتے جب اس سوال پر پہنچتے ہیں کہ یہودی صوفیوں میں رابعہ بصری کے پایہ کی باکمال عورتیں کیوں نظر نہیں آتیں تو ظاہر ہے اسلام کے مقابلہ میں یہاں یہودی تصوف کی کور دیتی ہے تو یہ کہہ کر اس کے وزن کو ہلکا کر دیتے ہیں کہ یہودی تصوف دراصل معرفت و روحانیت کا مردانہ تصور ہے اور عورتیں اس کی متحمل ہو ہی نہیں سکتیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ یہودی فلسفہ مذہب کو جن لوگوں نے مدون کیا انھوں نے عورتوں کی روحانی و فکری ضرورتوں کا مطلق خیال نہیں رکھا۔

اختصار کے پیش نظر ہم مشائخ کی اس فہرست میں ان لوگوں کو بھی شامل نہیں کر رہے ہیں جنھوں نے عملی مجاہدات کے ساتھ ساتھ قلمی مجاہدات میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے یعنی جنھوں نے تصوف کو نکھارا اور نئے نئے تصورات اور مصطلحات سے مالامال کیا ہے یا جن کی جنبش ہائے قلم سے تصوف نے ایک علم ایک فن اور قابل فہم تصور کی حیثیت اختیار کی ہے یوں بھی تصوف سے متعلق مستند تحریرات اور کتابوں کا دائرہ بدرجہ غایت سمٹا ہوا ہے جس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:-

۱- یہ چونکہ اپنے مزاج اور خصوصیات کے اعتبار سے علم سے زیادہ عمل ہے اس لئے اس کو ضبط تحریر میں لانے کی کوششیں بڑی حد تک محدود رہیں۔

۲۔ صوفیاء چونکہ نفی ذات (NEGATION) کے شدت سے قائل ہیں اس لئے نہیں چاہتے تھے کہ تحریر و نگارش کے چکر میں پڑیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اظہار کا یہ اسلوب بھی نفس میں کبر و پندار پیدا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے علاوہ ازیں یہ خطرہ بھی ہے کہ کہیں عوام کی عقیدت کا رخ ادھر نہ مڑ جاتے حالانکہ انھیں سے یہ بھاگتے اور دور رہنے کا عزم کر چکے تھے۔

۳۔ جب علوم عقلیہ کا فروغ ہوا، بالخصوص نوافلاطونیت کے تصورات جب اسلامی معاشرہ میں پھیلے تو صوفیاء کے عقائد بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہی نہیں ان خیالات نے اس درجہ ان کے ذہن و قلب پر استیلاء حاصل کیا کہ ان کے پرجوش مبلغ بن گئے ——— ظاہر ہے فکر و رائے کے اس نہج سے فقہاء و محدثین متفق نہیں ہو سکتے تھے اور یہی وہ گروہ تھے جن کا عامۃ الناس میں زیادہ عمل دخل تھا اس لئے صوفیاء مجبور ہوئے کہ اپنے ان عقائد کو عام نہ کریں اور ازراہ احتیاط صرف انھیں حضرات تک ان کو محدود رکھیں جن میں صبر و برداشت کی صلاحیتیں بدرجہ اتم پائی جائیں۔

۴۔ یوں بھی تصوف چونکہ اصلاح و تزکیہ کی ایسی سطح سے متعلق ہے جس کے مخاطب خال خال حضرات ہی ہو سکتے ہیں، عوام نہیں، اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ اس کی نشر و اشاعت کے دائروں کو وسیع نہ کیا جائے

لیکن اخفاء و احتیاط کی ان تدبیروں میں چونکہ کھلی ہوئی مضرت یہ تھی کہ کہیں علم و معارف کا یہ گنجینہ ضائع ہی نہ ہو جائے اس لئے کچھ حضرات نے بہرحال اپنی تحریری کوششوں کو جاری رکھا، خصوصاً حلاج کے قتل نے تو انہیں چونکا سا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اچھے خاصے گروہ نے جرأت سے اپنے خیالات و افکار کو منظر عام پر لانے کا تہیہ کر لیا۔

یہ تحریری کوششیں کئی اقسام کی ہیں۔ کچھ لوگوں نے ان احادیث و آثار کو قلمبند کیا جن کا تعلق زہد و رقاق سے تھا جیسے عبداللہ بن المبارک اور احمد بن حنبل وغیرہم۔ کچھ حضرات نے سلسلۂ تصوف کے متقدم مشائخ و اکابر کے اقوال و افعال کا دلآویز مرقع تیار کیا۔ جیسے حلیۃ الاولیاء، صفوۃ الصفوۃ، اور تذکرۃ الاولیاء کے مصنفین۔ کسی کسی نے نفس فن کے بارہ میں بحث کی اور اس راہ پر پیش آنیوالی مشکلات اور پیچیدگیوں کو حل کرنے اور سلجھانے کی کوشش کی جیسے قشیری، ہجویری اور کلاباذی وغیرہم اور ایک مختصر گروہ نے اسکو اونچے معارف اور حکیمانہ طرز فکر سے بہرہ مند کیا جیسے غزالی، ابو النصر سراج اور ابن عربی وغیرہم۔